IMPACT FACTOR 5.473(SJIF)

UPA NATIONAL E-JOURNAL

Interdisciplinary Peer-Reviewed IndexedJournal

Volume -8 : Issue-1 (February-2022)

ISSN 2455-4375

رباعیات بسمل

ڈاکٹر صبیحہ کوثر

بسمل کا اصل نام سید عیسیٰ میاں تھا۔ ادبی دنیا انھیں بسمل سعیدی کے نام سے جانتی ہے اور بسمل سعیدی ان کا قلمی نام ہے۔ ان کے والد محترم کا نام حکیم سید سعید احمد ہے اسدؔ تخلص فرماتے تھے۔ حکیم صاحب نے دو شادیاں کیں۔ دوسری بیوی صدیقہ بیگم کو بسمل سعیدی کی والدہ ماجدہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ بسملؔ کے آبا واجداد آخر عہد مغلیہ میں ہندوستان تشریف لائے اور سید شہید بریلوی کی تحریکِ جہاد سے وابستہ رہے۔ بسملؔ کے پڑدادا مولانا محمد علی تھے اور دادا مولانا احمد علی جو علمی دنیا میں بہ تخلص 'سیماب' معروف تھے۔ مولانا احمد علی کے دو فرزند تھے سید سعید احمد اور دوسرے سید عبد العلی۔ آخر الذکر کا انتقال باپ کی حیات میں ہی ہو چکا تھا اور اول الذکر بسملؔ کے والد بزرگوار تھے۔

بسمل کے والد محترم سید سعید احمد ایک اچھے شاعر تھے اور اسد تخلص فرماتے تھے۔ علاوہ ازیں ٹونک میں باکمال طبیب کی حیثیت رکھتے تھے۔ سعید صاحب کی تین نرینہ اولادیں تھیں جن کا نام حکیم سید یحییٰ میاں، سید عیسیٰ میاں اور سید احمد علی، بسملؔ سید سعید احمد علی کے منجھلے بیٹے ہیں۔ بسملؔ کی پیدائش ۱۹۰۱ء میں راجستھان کی ایک چھوٹی سی ریاست ٹونک میں ہوئی۔ بسمل کافی عرصے تک ٹونک میں رہے۔ اہل ٹونک نے اس زمانے میں ان کی خاطر خواہ قدردانی نہ کی مگر بعد میں ان کے کلام کو کافی سراہا گیا۔ یہاں وہاں بھٹکنے کے بعد بسمل مستقل طور سے دلی میں قیام پذیر ہو گئے اور اعلیٰ پائے کے شعرا سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور بڑی بڑی سیاسی ہستیوں تک رسوخ ہوا۔ بسمل دلی میں سکونت پذیر ہونے کے قبل جے پور میں بھی کچھ عرصے مقیم رہے اور کنور یاسین علی خان سے دوستانہ تعلق کافی عرصے تک رہا اور ان کے ساتھ جے پور اور قرب وجوار کے مشاعروں میں شرکت کرتے رہے۔

بسمل کو شاعری ورثے میں ملی تھی۔ ان کے دادا اور والد محترم مشہور و معروف شاعر تھے اور کثیر تعداد میں تلامذہ رکھتے تھے۔ بسمل کی ابتدائی تعلیم گھر پر ٹونک میں ہوئی۔ بعد میں مولوی محمد بہاری سے انگریزی اور مولانا اسلم صاحب جیراج پوری سے فارسی کی تعلیم حاصل کی۔

بسمل نے دو شادیاں کیں۔ پہلی بیوی مولوی سید شریف السلام صاحب کی صاحب زادی تھی اور دوسری بیوی سلمٰی بی جو تقسیم ملک کے بعد پاکستان چلی گئی۔ پہلی بیوی سے پانچ اولادیں ہوئیں اور دوسری بیوی سے چار کل ملا کر نو اولادیں ہوئیں جن میں سے چھ حیات ہیں۔ بسمل کی وفات ۲۷/اگست ۱۹۷۷ء دلی میں ہوئی۔ انھوں نے چھہتر (۷۶) سال کی عمر پائی۔ بسمل کی وفات سے اردو کی کلاسیکی غزل گوئی کے میدان میں خلاء پیدا ہو گیا۔

شاعری کے متعلق بسمل کے نظریے ان کے ہی ایک شعر میں پنہاں ہیں۔

مری شاعر خلط مبحث نہیں ہے
محبت کی روداد ہے اور میں ہوں

اردو کے عام شعرا کی طرح بسمل بھی غزل کی زلف کے اسیر ہیں۔ وہ غزل کے ارتقائی سفر کے ایک ایک مرحلے کا عرفان رکھتے ہیں۔ غزل کے علائم و رموز پر ان کو کامل دسترس حاصل ہے۔ غزل کے محاسن اور معائب ان کے آئینہ شعور میں پوری طرح روشن ہیں۔ چنانچہ ان کی غزلوں کے مطالعے کے بعد ہم یہ رائے قائم کرنے میں حق بجانب ہیں کہ بسمل اپنی غزلوں میں اردو شاعری کی روایات و رسومات کے پاسدار نظر آتے ہیں۔ ان کے یہاں غم دوراں بھی ہے اور غم جاناں بھی۔ ان کے اشعار میں فکر کا ٹھہراؤ بھی ہے اور جذبے اور احساس کی شدت بھی۔ وہ نئے الفاظ و تراکیب ہی کا استعمال نہیں کرتے بلکہ پرانے اور فرسودہ الفاظ کو نئے مفاہیم و مطالب کے اظہار کے لیے بھی بڑی کامیابی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ ان کی غزلوں میں آپ بیتی بھی ہے اور جگ بیتی بھی۔ وہ پرانے اسالیب کے پہلو بہ پہلو نئی تحریکات و رجحانات کے اثرات کو قبول کرنے پر بھی آمادہ محسوس ہوتے ہیں۔ مختصر یہ کہ بسمل اردو کے کلاسیکی غزل گو شاعروں میں ایک منفرد اور جداگانہ مقام رکھتے ہیں۔

غزل کے علاوہ بسمل نے مسلسل غزلیں بھی کثرت سے لکھیں۔ جو کامیاب اور موثر ہیں۔ جن کے موضوعات عشق کی گوناگوں کیفیات اور حسن کی کرشمہ سازیوں پر مبنی ہیں اور یہی اردو شاعروں کا محبوب موضوع ہے۔ بسمل نے عشق و وفا کے اقرار اور اس کے جملہ مناسبات کو بڑی خوبی سے ادا کیا ہے۔ دراصل اردو شاعری میں عشق کی گوناگوں کیفیت کو ادا کرنے کی روایت ہے اور اردو شاعری کا محبوب اپنی ستم کشی اور جفاگری کے لیے بدنام ہے۔ اسی کیفیات کو بسمل نے ایک التجا آمیز لہجے میں بیان کیا ہے۔ جو مسلسل غزلوں میں ملنا ذرا مشکل ہے۔ بسمل جس طرح غیر مسلسل غزلیں لکھنے میں مشاق ہیں اسی طرح مسلسل غزل لکھنے میں بھی ان کو کامل مہارت حاصل تھی۔ بلکہ مسلسل غزل کہنے والے شعرا کی فہرست میں بسمل صف اول ہی میں نظر آتے ہیں۔

جب اردو شاعری زلف و رخسار اور حسن و عشق کے پیچ و خم سے نکل کر اہم اور پیچیدہ مسائل کو اپنے دامن میں جگہ دینے لگی تو ایک نئی تحریک کا آغاز ہوا جو نظم نگاری کی تحریک کہلائی۔ بہر کیف بسمل کے کلام میں منظومات کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ جن کے موضوعات اور خصوصیات منفرد اور جداگانہ ہیں۔ غزل کے مزاج داں ہونے کے ساتھ ساتھ انھوں نے نظموں میں بھی کھوکھلے الفاظ کا استعمال نہیں کیا ہے ان کا جذبہ اور خلوص نظموں میں بھی صاف جھلکتا ہے۔

جہاں تک ان کے نظمیہ شاعری کا تعلق ہے ہم نے مناسب موضوعات کے تحت ان کا جائزہ لیا ہے۔ بسمل کی قومی اور وطنی شاعری وقیع اور قابل قدر ہے۔ ان کے یہاں ہندوستانیت کا عنصر بہت نمایاں ہے۔ "نعرۂ جمہوریت" میں ملک کو آزادی ملنے پر اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے اور یہ جذبات محب وطن کے قلم سے ہی نکل سکتے ہیں:

مدتوں کمبخت اسیر باغِ ہندوستان رہی

اب جہاں چاہے چلی جائے خزاں آزاد ہے

بسمل کی رثائیہ نظموں کی تعداد بھی کافی ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو کی وفات ۲۸ مئی ۱۹۶۴ء کو ہوئی تھی۔ اسی سانحہ سے متعلق 'سیل غم' ایک رثائی نظم ہے اس قسم کی نظموں میں ایک خاص طرح کی سنجیدگی، وقار اور ٹھہراؤ ہے علاوہ ازیں رثائیہ نظمیں ہیں سوختہ جاں، ثریا سعدی، سالگرہ وغیرہ۔

بسمل صاحب کی شخصی نظموں میں ابوالکلام آزاد، گاندھی، گرونانک، غالب، اختر شیرانی، اپنے والد محترم سے ان کی عقیدت کی ترجمان نظم، برسی، حور حرم، ایک طویل اور عمدہ نظم جو ذاتی جذبات وخلوص کی غماز ہے۔ یہ جملہ نظمیں، شخصی نظم کے فکری وفنی محاسن سے مالامال ہے۔

سماجی اور سیاسی مسائل پر بسمل کی گہری نظر تھی۔ اس قبیل میں 'انسان' اور 'ماتم انسان' اپنی انفرادی خوبیوں کی بنا پر اردو کی بہترین سماجی نظموں میں شمار کیے جانے کے قابل ہیں بسمل کی سیاسی نظموں میں 'سرکار خفا ہیں' مینسٹر ہو جانے پر، سیاسی یزید، روئے سخن، خلیفتہ الارض وغیرہ نظمیں ہیں۔ ان نظموں میں طنز کا عنصر غالب ہے۔ بسمل کی رومانی نظمیں بھی توجہ کا دامن کھینچتی ہیں اور محاکات نگاری کا فن عیاں ہے۔ کشمکش، سیاہ ساڑی نظموں میں انھوں نے نازنینوں کے حسن و ادا اور ناز و انداز کی عکاسی کی ہے ایک نظم 'شام' جو فطرت نگاری کی بہترین مثال ہے۔ یہ نظمیں فکر وفن دونوں کے لحاظ سے ممتاز ہیں۔

الغرض بسمل صاحب کی قومی وطنی، سماجی، رومانی نظموں کا مطالعہ واضح کر دیتا ہے کہ ان کا سماجی اور اجتماعی شعور کتنا بالیدہ ہے۔ ان کے کلام میں حب الوطنی، قوم پرستی، بشر دوستی ایک آدرش، مَشرَب اور عقیدت کا مقام رکھتی ہے۔ بحیثیت مجموعی اردو نظم کے ارتقائی سفر میں نظیرؔ، اکبرؔ، حالیؔ، چکبستؔ کے بعد بسمل ایک اچھے نظم نگار ہیں۔ بسمل نے قطعات اور رباعیات بھی لکھی ہیں۔ جو اگرچہ تعداد میں کم ہیں لیکن فکر وفن کی خوبیوں کی بنا پر موثر اور پر لطف ہیں۔

بسمل کلاسکی غزل کے وہ مایۂ ناز فنکار ہیں جو مومنؔ کے مدِ مقابل نظر آتے ہیں ان کی داستان حیات کا خلاصہ درج ذیل رباعی ہے جو انھیں کے قلم سے ہے۔

آثار حیات سے بھی مر جاتا ہوں
سچ جانیے میں جی سے گذر جاتا ہوں
اتنی کڑکی ہے غم کی بجلی دل پر
آواز سے قہقہے کی ڈر جاتا ہوں

بسمل صاحب نے غزل اور نظم کے علاوہ رباعی اور قطعہ میں بھی طبع آزمائی کی ہے اور ان تمام اصناف میں اپنی قادرالکلامی اور فنی مہارت کا ثبوت بہم پہچایا ہے۔ لیکن وہ صنف جس میں ان کی داخلی شخصیت کا بھرپور اظہار ہوا ہے اور جس کے آئینے میں ان کے فکر وفن کے انفرادی خدوخال پوری آب وتاب سے جلوہ نما ہوئے ہیں، غزل ہے ان کی زندگی کے مختلف مظاہر، مختلف عالم، رنج وراحت، غم ونشاط، بیم ورجا، یاس وامید محبت ہی کی گوناگوں کیفیتوں کے پرتو ہیں۔

چونکہ اردو رباعی نے اپنا چراغ فارسی رباعی سے روشن کیا ہے۔ اس لیے اردو رباعی میں بھی فارسی رباعی کے انھیں موضوعات کی جھلکیاں موجود ہیں۔ بسمل کی رباعی کے موضوع بھی تقریباً وہی ہیں جو اردو شعرا کے یہاں ملتے ہیں۔ بسمل کے ہم عصر شعرا جنھوں نے رباعیاں کہیں۔ وہ ملک گیر شہرت کے مالک تھے۔ جن میں سیمابؔ اکبر آبادی، فراقؔ گورکھپوری، یگانہ چنگیزی، حفیظؔ جالندھری، جگر مرادآبادی، جوشؔ ملیح آبادی، اخترؔ شیرانی وغیرہ شامل ہیں۔ یہ تمام شعرا دورِ جدید کے ہیں۔ اس دور کی رباعی گوئی کی بنیاد حالیؔ اور اکبرؔ نے ڈالی اور ان حضرات نے اپنے ماحول کی ترجمانی صداقت اور سچائی سے کی۔ اس کے بعد نئے شعرا نے اس راہ پر گامزنی کی اور نئے انقلابی رجحانات کو اپنی رباعی میں جگہ دینے لگے۔ بسمل نے بھی رباعیاں کہی ہیں اور انھوں نے بھی تقریباً انھیں موضوعات کو اپنی رباعیوں میں نظم کیا جو ان کے ہم عصر شعرا نے ادا کیے۔

بسمل کی رباعیوں کا تعلق ان کی اپنی ذات سے ہے۔ بسمل بڑے متاثر کن شخصیت کے مالک تھے۔ خود تشہیری سے نفرت کرتے تھے۔ سستی شہرت کو انھوں نے ہمیشہ اپنے مرتبے سے فروتر سمجھا۔ عالی ظرفی کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ خود بینی، غرور اور گھمنڈ نام کو نہ تھا۔ اس سلسلے میں انھوں نے کچھ رباعیاں کہی ہیں۔ بندے کو نخوت سے پرہیز کرنے کی تلقین کی ہے کہ یہ باتیں خدا کو بھی پسند نہیں ہے۔ جس دعا میں نخوت ہو وہ خدا کے حضور قبولیت کے قابل نہیں ہے۔ درج ذیل رباعی میں اسی بری خصلت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

مرشد نے دعا جو بہر سائل فرمائی
نخوت وہ دعا میں اپنی شامل فرمائی
اللہ نے جبریل سے گھبرا کے کہا
دیکھو تو یہ وحی کس نے نازل فرمائی

بسمل مذہب کے اعتبار سے وہابی تھے یعنی غیر مقلد تھے۔ مزار پرستی کو گناہ عظیم سمجھتے تھے اور روزمرہ کے اعمال وعقائد میں خرافاتی روایات یا خارج از عقل رسم ورواج کو پسند نہیں کرتے تھے۔ مزار پرستی کے خلاف ایک رباعی میں یوں رقمطراز ہیں:

ہر شورشِ فسق عام کرنے والو
ہر قبر پر اژدہام کرنے والو
ساغر کی کھنک ہے سمع ایمان پہ گراں

بابانگِ دہل حرام کرنے والو

اس عنوان کی رباعیاں جوشؔ کے رباعیوں کے مجموعے "سیف وسبو" میں ملتی ہیں۔ جس میں انھوں نے زاہدوں کی ریاکاری پر ضرب لگائی ہے۔ ملاؔ کا مذاق اڑایا ہے۔ علاوہ ازیں پیری کے سلسلے کو مہمل قرار دیا ہے۔

"سیف وسبو" میں سے ایک رباعی یہ ہے:

قبروں پہ مریدوں کو جھکاتے رہیے
ڈھولک پہ سہفوں کو نچاتے رہیے
اللہ اگر روٹھ رہا ہے روٹھے
کیا اس سے غرض، عرس مناتے رہیے

اردو شعرا کا ایک محبوب موضوع واعظوں پر طنز کرنا رہا ہے۔ دورِ جدید میں حالیؔ اور اکبر نے بھی اردو ادب کو ایسے موضوع سے روشناس کرایا۔ واعظ اپنے کردار سے لوگوں پر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ وہ سنتِ الٰہی کے پابند ہیں۔ مگر ان کے ظاہری رکھ رکھاؤ سے سنت کے منافی بات عیاں ہوتی ہے۔ اس بات کو بسملؔ صاحب نے اپنی ایک رباعی میں دلکش انداز میں پیش کیا ہے۔ حضورؐ کی سادگی سے متاثر ہو کر ہزاروں لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ یہی باتیں واعظ بھی کرتے ہیں۔ مگر اس طرح:

بوسیدگی کپڑوں کی نہ کرتی تھی حزیں
فاقوں میں بھی خوش رہتے تھے شاہنشۂ دیں
ان باتوں کو اب وعظ میں کرتی ہے یہاں
ابھری ہوئی توند اور عبائے زریں

جو لوگ مقلد ہوتے ہیں اور حضرتِ مرشد کی شاگردی اختیار کرتے ہیں۔ وہ سارے شرعی احکام سے دست بردار ہو جاتے ہیں پھر ایسی شاگردی سے نکلنا محال ہو جاتا ہے اور خواہ مخواہ انھیں ادہام طریقت سے وابستہ ہونا پڑتا ہے۔ بسملؔ کی رباعی پیش ہے۔ کس خوبصورتی سے دو متضاد الفاظ کا استعمال انھوں نے اس رباعی میں کیا ہے:

مستغنی احکام شریعت ہو لوں
وابستۂ ادہام طریقت ہو لوں
چھوٹیں گے نہ اب حضرتِ مرشد کے قدم
بہتر ہے کہ اللہ سے رخصت ہو لوں

واعظوں پر طنز کرنے کے بعد بسملؔ نے شیخ صاحب کو بھی نہ بخشا۔ ان کے گذرے ہوئے کل کو یاد کر گناہ سے پلٹنے پر مبارک باد دی ہے:

نبھ جائے گا محفوظ معائب ہونا
راس آئے گا اللہ کا نائب ہونا
پیری نے جوانی کے گنہ ختم کئے
اے شیخ مبارک تجھے تائب ہونا

ان تمام مکاریوں اور ریاکاریوں میں بسملؔ کو بربادی اسلام کا منظر صاف نظر آ رہا ہے۔ وہ موجودہ نوجوانوں کے گمراہ کن آغازِ زندگی اور ان کے کام کو دیکھ کر تاریخ کی ان فتوحات کا ذکر کر رہے ہیں۔ دراصل صبح و شام کا جو استعارہ انھوں نے استعمال کیا ہے وہ لاجواب ہے۔ جس میں ندرت ہے "اس صبح" سے مراد وہ تمام فتوحات ہیں جو اسلام کے رہبروں نے اپنے جہد مسلسل اور عمل سے حاصل کیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

بربادی اسلام الٰہی توبہ
اس صبح کی یہ شام الٰہی توبہ
قرآن سے آغاز ہو قوالی کا
قرآن کا انجام الٰہی توبہ

کچھ شعرا نے ایسی رباعیاں کہی ہیں جن سے ان کی طرزِ معاشرت، ان کا رہن سہن اور ان کی روزانہ زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔ کچھ شعرا نے اپنی رباعیات میں حاسد پن کا ذکر کیا ہے۔ بسملؔ نے بھی اسی طرز کی ایک رباعی قلمبند کی ہے۔ جس سے ان کے اخلاق و کردار کا پتہ چلتا ہے۔ درج ذیل رباعی میں تضاد قول و فعل کی مذمت ہے:

دل اور زباں میں نہ ہو تفریق اے کاش
فعل ان کا کریں قول کی تصدیق ای کاش

IMPACT FACTOR 5.473(SJIF)
UPA NATIONAL E-JOURNAL
Interdisciplinary Peer-Reviewed IndexedJournal
Volume -8 : Issue-1 (February-2022)
ISSN 2455-4375

فرماتے ہیں شاعری کو جھوٹا جو بزرگ
سچ بولنے کی ان کو ہو توفیق اے کاش

درج ذیل رباعی بھی اسی موضوع کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ بسمل اس رباعی میں انتقام لینے والی کسی شخصیت سے مخاطب ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ تجھ جیسے شخص سے خدا بچائے۔ جو اپنے پرائے کی تمیز نہ کر سکے۔

اپنوں سے تجھے بیر خدا تجھ سے بچائے
سو غیروں کے اک غیر، خدا تجھ سے بچائے
محسن ترے بچ سکے نہ تیری زد سے
او منتقم خیر، خدا تجھ سے بچائے

انسان جب تک بقید حیات ہے۔ ہر موڑ پر کشمکش میں مبتلا رہتا ہے۔ ایک طرف دین ہے دوسری طرف دنیا:

یہ امن واماں کی رہگذر ہے بسمل
وہ رہگذر خوف و خطر ہے بسمل
تم ایک دوراہے پہ کھڑے ہو اس وقت
دنیا ہے ادھر دین اُدھر ہے بسمل

اردو شاعری کے ہر دور میں کچھ نہ کچھ خمریہ رباعیاں کہی گئی ہیں۔ چنانچہ دکن میں محمد قلیؔ قطب شاہ وجہی اور سراجؔ اورنگ آبادی نے اس طرف توجہ دی ہے۔ قدیم شعرا میں تاباںؔ نے خمریہ رباعی کی طرف توجہ کی ہے۔ تاباں کی وفات عین شباب میں ہوئی اس جواں مرگی کی وجہ کثرت مے نوشی تھی۔ ان کی ایک خمریہ رباعی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے:

ہوتا ہوں ترا جو اشتیاق ساقی
بے خود ہو پکارتا ہوں ساقی ساقی
ہے مجھ کو خمار شب کا لا صبح ہوئی
شیشے میں جو کچھ کہ مے ہو باقی ساقی

دور متوسط میں خمریہ رباعیات نہیں کے برابر ہیں۔ کیونکہ اس دور کی رباعیاں زیادہ تر مرثیہ گو شعرا نے کہی ہے جو ان کی طبیعت کے خلاف تھا۔ دور جدید چونکہ رباعی گوئی کا سنہرا دور ہے۔ اس لیے خمریہ رباعی بھی کہی گئی ہے۔ چنانچہ شادؔ، رواںؔ، فانی، عبدالباری آسیؔ، جوشؔ ملیح آبادی اور اثر صہبائی اور بسمل کے یہاں بھی خمریہ رباعیات ملتی ہیں اور ان سب شعرا میں خاص طور سے جوشؔ نے کافی تعداد میں خمریہ رباعی کہی ہیں۔ جوش کی ایک رباعی کا قافیہ ردیف تاباں کی رباعی جیسا ہے:

تاریکئ اندوہ ہے باقی ساقی
ہاں بادۂ دل فروز ساقی ساقی
یہ رنگ یہ محفلیں رہیں یا نہ رہیں
ہے عہدِ شباب اتفاقی ساقی

بسمل، جوشؔ کے ہم عصر تھے۔ خمریہ موضوعات تو ہر زبان کی شاعری میں ملتے ہیں۔ عربی کی خمریہ شاعری کو۔۔۔ اور ابو اسؔ نے ایک نئے لب ولہجہ سے روشناس کیا اور فارسی کی خمریہ شاعری کو عمر خیامؔ اور حافظؔ نے نشہ انگیز اور کیف آور بنایا اردو شاعری چونکہ فارسی کی خوشہ چیں ہے۔ اس لیے اس میں بھی خمریہ شاعری کا وجود ملتا ہے۔

خمریہ شاعری کے دوُرخ نمایاں ہیں۔ اس کا ایک رخ تو یہ ہے کہ اردو کے صوفی شعرا نے کنایاتی انداز میں شراب کی باتیں کی ہیں اور اس شراب سے مراد معرفتِ الٰہی ہے۔ یعنی وہ "مشاہدہ حق" کی گفتگو "بادہ و ساغر" کے پردے میں کرتے ہیں اور خمریہ شاعری کا دوسرا رخ وہ ہے جس میں شعرا نے شراب کو شراب ہی کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ یعنی وہی پرتگالی اور بھٹی والی شراب ہے۔ علاوہ ازیں کچھ شعرا نے تو محض تقلیداً ہی یا دلی تسکین کے لیے صہبا و سبو کا ذکر کیا ہے اور سامعین وناظرین کو بھی لطف اندوز کیا ہے۔

چونکہ بسمل بھی بھٹی والی شراب کے عاشق تھے۔ اس لیے ان کی رباعیاں بھی اس موضوع کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ درج ذیل رباعی میں بسمل کی حد درجہ مئے نوشی سے ان کا پسینہ بھی گلابی ہو گیا ہے:

مخمور ہیں آثارِ خرابی اپنے
ہیں موئے بدن بھی تو شرابی اپنے
رہتا ہے کہیں جو ہر رنگین گھٹ کر
قطرے ہیں پسینے کے گلابی اپنے

بسمل کی درج ذیل رباعی میں ایک نیا مضمون ہے کہ وہ غیر شرابی گنہگاروں کو خوش خبری سنارہے ہیں کہ آپ سب بے فکر ہو کر دنیا کی رحمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہے ہیں کیونکہ آپ کے گناہوں کے عوض جو دوزخ ملے گی وہ تو سارے میخوار پئے جاتے ہیں۔ وہ گویا دوزخ کی تلخی کو اپنے گلے میں محسوس اور برداشت کر رہے ہیں۔ اس لیے اب دوزخ کی مشکلیں جاتی رہیں :

مژدہ ہو جہنم کے سزاداروں کو
اللہ کی رحمت کے پرستاروں کو
دوزخ کو تو میخوار پئے جاتے ہیں
اب کون جلائے گا گنہگاروں کو

بسمل مئے نوشی کے حق میں محتسب سے جھگڑا بھی کرتے ہیں اور اسے خود سے بدتر ٹھہراتے ہیں اور اپے مشغلہ مئے نوشی کو اس سے کم نقصان دہ ٹھہراتے ہیں :

خلوت میں مرا مشغلہ مے نوشی کا
اسلام کے نقصان کا باعث ہے سوا
یا وقت جماعت سر بازار اکثر
مسجد کے قریب آپ کا بیٹھا رہنا

خمریہ رباعی کے علاوہ بسمل نے اخلاقی رباعیاں بھی کہی ہیں۔ جس میں طنز کے وار چلائے ہیں مگر وہ اصلاحی ہیں۔ یہ رباعیاں انسان کے کردار کو سنوارنے اور بلند کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ درج ذیل رباعی میں بسمل نے ظاہری عبادت کا پردہ چاک کیا ہے:

باطن کا کسی کے راز کس طرح کھلے
اخفا کے طریقے بھی تو کوئی دیکھے
انسانیت و مذہب و ایثار و خلوص
ہیں روئے منافقت پہ کتنے پردے

Dr. Sabiha Kausar

Officiating Principal

Head Department of Urdu

Umme Salma Girls College of Arts & Science

Nagpur